وذکاوت کی غماز آنکھیں، گندمی رنگ، فکر وتدبر کی لکیروں سے پُر پیشانی، یہ تھے مولانا بشیر کاشفیؒ۔ راقم الحروف کو کم سنی کے باوجود یاد ہے کہ آپ نہایت پُرکشش صورت وسیرت کے مالک تھے۔ وفات سے چند ماہ قبل آپ سکول کے طلباء کو محلہ ''خشو'' کے سامنے بالائی مقام پر سیر کے لیے لے گئے۔ ازراہِ شفقتِ بزرگانہ کم سن راقم کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔

مولانا کاشفیؒ کو اردو رسائل کے مطالعے سے خاص دلچسپی تھی۔ آپ نے ندوی صاحب سے چند رسالے اپنے نام جاری کروا رکھے تھے۔ گرمیوں میں چھت پہ لالٹین کی روشنی میں مطالعہ فرماتے۔ ۱۹۷۴ء کے بعد آپ کی قابلِ رشک صحت شدید کمزوری میں بدل گئی اور حالت یہ ہوگئی:

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے | ہم بھی جانے والے ہیں ، سامان تو گیا

مولانا کے داماد برادرم عبدالعزیز کے بقول مولانا کاشفیؒ نے ۱۹۷۹ء میں اچانک وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولانا کاشفیؒ کی پہلی بیوی نے ۲۱ اگست ۱۹۶۷ء کو وفات پائی تھی۔ صاحبزادہ عنایت اللہ نے ۱۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ بیٹی رابعہ نے مولانا کے بعد وفات پائی۔ پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد آپ نے دوسری شادی کی، جن سے صاحبزادی بتول نے جنم لیا۔ مولانا موصوفؒ کی اولاد میں سے یہی بیٹی بقیدِ حیات ہے۔

مولانا کاشفیؒ جماعتی درد اور ہمدردی کا پیکرِ حسین تھے۔ جب بھی کسی سلفی بھائی کی حق تلفی ہوجاتی تو آپ اس کی حمایت ودفاع میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ اپنی جماعت کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت کا بندوبست فرماتے۔ ان کی ڈھارس بندھاتے اور انہیں کمال فراخدلی سے آگے بڑھاتے۔ بلغار کی چند سرکردہ شخصیات بابا رستم سرکردہ، بابا عبدالکریم سرکردہ اور بابا حسن سرکردہ کی جماعتی خدمات، بزرگوں سے تعاون اور خلوص کی قدر فرماتے۔

مولانا ندویؒ آپ کو خانوادے کا ہیرا سمجھتے اور آپ کی تعریف فرماتے۔ آپس میں مراسلت کے ذریعے ادبی نکات کا تبادلہ فرماتے۔ حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں مولانا حسن اثریؒ اور مولانا عبدالباقیؒ کے ساتھ جماعت اہلحدیث کو درپیش مسائل پہ تبادلہ خیال فرماتے۔

موصوف کی وضع داری، اخلاص، قابلیت اور اصابتِ رائے کے پیشِ نظر مفتی کریم بخشؒ نے آپ کو دارالعلوم غواڑی کی مجلسِ عاملہ کا ہمہ وقتی ممبر بنا رکھا تھا۔ موضع بلغار میں تین آدمی میدانِ سیاست میں عبقری مانے گئے ہیں، جن میں سے ایک مولانا کاشفیؒ تھے۔

دردِ دل

ہمارا اصلی منہج

عبدالمنان خان ایم اے بی ایڈ

مبارک دورِ نبوی میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت تمام اہل ایمان کا شعار تھا۔ فرقہ واریت کی بدعت پھیلنے کے بعد توفیق الہی سے سرفراز ایک عظیم جماعت قرآن مجید اور سنت مطہرہ کی پاسداری پر نسل در نسل پابند رہی؛ یہی مسلک ''اہلحدیث'' کہلاتا ہے، جو کہ قرونِ اولیٰ سے مسلسل حق وصداقت کا علمبردار رہا ہے۔ یہ مسلک قابلِ فخر اور شاندار ماضی رکھتا ہے۔ اس جہانِ آب و گل میں **قال اللہ و قال الرسول** ﷺ کا پرچم تھام کر دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا اس کا وطیرہ رہا ہے۔ اور روزِ اول سے ہی عزم واستقلال اور صحیح نہج پر ہونے کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے۔

اس کے مقابل کچھ لوگ اسلام سے غداری اور دشمنانِ اسلام سے ساز باز کرتے چلے آئے ہیں۔ سقوطِ بغداد وغیرہ اس کے واضح نتائج ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

جعفر از بنگال ، و صادق از دکن   ننگ دین ، ننگ ایمان ، ننگ وطن

مسلکِ اہلحدیث کی حقانیت سے خوفزدہ ہو کر دشمنوں نے شروع سے ہی اسے نقصان پہنچانے اور اس کا زور توڑنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے آزمائے۔ قید و بند، طوق و سلاسل، کالا پانی، جلاوطنی، سزائے موت اور وہابیت کا طعنہ؛ غرض ہر ممکن طریقے سے آوازۂ حق کو دبانے کی کوشش کی گئی۔

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو   کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

دنیا میں نور وظلمات، حق و باطل اور خیر وشر میں تصادم ہمیشہ سے ہی ہوتا آیا ہے۔ باطل قوتوں نے یک زبان ہو کر ''الکفرُ ملّة واحدة'' کے مصداق حق وصداقت کی آواز کو دبانے کے لیے عالمگیر کوششیں ہر زمانے میں کیں۔ فرعون ونمرود سے لے کر آلِ یہود ونصاریٰ، مختلف نام نہاد خلافتوں سے لے کر منگول، ہلاکو خان تک اور موجودہ دور کے سُپر پاورز بھی اپنے (Strategic Interests) کی حفاظت کے لیے ہمیشہ امتِ مسلمہ کا استحصال کرنے میں مگن رہے ہیں۔ حق وصداقت کی بیخ کنی کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کرتے آئے ہیں اور اپنے باہمی

اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر اسلام کی آواز کو دبانے کے مشن کو ہی ہمیشہ اپنے ایجنڈے میں سرِفہرست رکھا ہے، لیکن

نور الہدیٰ ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حق کی آواز کو دبانے کے لیے وقت کے ساتھ ساتھ دشمنوں کے آلاتِ ستم اور ہتھکنڈے بھی تبدیل ہوتے گئے۔ آج کل جو ہتھکنڈہ آزمایا جا رہا ہے وہ ہے: **''پُر فریب نعروں میں مگن رکھنا''**

ایک زمانہ تھا جب قبائلی نظام دنیا میں رائج تھا۔ اُس وقت انفرادی قوت، تن سازی، گھڑسواری، فنونِ حرب اور جنگی چالیں سیکھنا اور سکھانا کسی بھی قوم، قبیلے اور گروہ کی ترقی واستحکام کے لیے لازمی سمجھا جاتا تھا۔

پھر زمانہ بدلا۔ ''صنعتی انقلاب'' آیا، مصنوعات کی تیاری اور لین دین کو عروج حاصل ہوا۔ قیامِ امن اور دفاعِ وطن ریاست کی ذمہ داری قرار پائی، اب طاقت کے پیمانے بدل گئے۔ زیادہ سے زیادہ تجارت اور منافع خوری کے مقابلے ہوئے۔ مال ودولت کے بل بوتے پر متعدد امیر ملکوں نے غریب ملکوں کو دامِ فریب میں گرفتار کرلیا۔ ان سے مواد سستا خرید کر اشیاء مہنگے بیچ دیے۔ اور پھر ان غریبوں پر حکومت کرنے لگے۔

پھر صنعتی انقلاب سے بھی ایک قدم آگے ''ٹیکنالوجی کا انقلاب'' آیا ہے۔ اس دور میں بھی وہی کمرشل حربے خوب چل رہے ہیں۔ اور دنیا کو کسی حد تک مہذب بنا کر غریب ملکوں پر باقاعدہ حکومت کرنے کا رواج ختم ہوگیا ہے۔ لیکن سپر پاور اب اپنی تجارتی پالیسیاں امداد، ہمدردی اور دیگر ملتے جلتے ناموں سے چلا رہے ہیں۔ اقتصادی اور دفاعی امداد کے نام پر غریب ملکوں کو غلام بنایا جا رہا ہے۔ اور انہیں امداد کے نام پر بھاری سود پر قرضے دے کر ان کی معیشت کا ستیاناس کیا جاتا ہے۔ پھر مقروض اقوام کی آزادیاں سلب کرلی جاتی ہیں۔

انگریز برصغیر کی متحدہ سیاسی تحریک سے شکست کھا کر ہندوستان کو دو متحارب ملکوں میں بانٹ کر چلے گئے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اس حاصل شدہ آزادی کی قدر کرتے۔ اپنی سرزمین پر سیاسی تحریک کے دوران اللہ تعالیٰ اور عوام الناس سے جو وعدے کر کے ان کی جانی، مالی قربانیاں وصول کی تھیں، ان کی پاسداری کرتے ہوئے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ''اسلامی نظام'' نافذ کرتے۔ لیکن: اے بسا آرزو کہ خاک شد!

تعلیمی میدان میں اپنی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی قومی ودینی زبانوں کو اہمیت دی جاتی۔ اور نئے ومفید علوم اپنی زبانوں میں پڑھائے جاتے، جس طرح امت اسلامیہ کی تابناک ماضی میں ہوتا رہا۔ لیکن اس کی کوششیں ثمر آور نہ ہوسکیں۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے کسی حد تک کوشش کی، مگر مسلمانوں کی فرقہ پروری نے ان کی راہ

میں روڑے اٹکائے۔ وفاق المدارس قائم کیے تو اس میں بھی وہی فرقہ واریت گھس گئی۔ بہرحال اصلاح کی کوششیں ہوئیں اور ملک کسی حد تک صحیح سمت میں آگے بڑھنے لگا۔

جنرل ضیاء الحقؒ نے مارشل لاء اور جمہوریت کے بیچ میں سے اسلامی نظام کی راہ نکالنے کی کوشش کی، لیکن مغرب زدہ سرکاری اہلکاروں اور سیاست دانوں سے درکنار، دینی جماعتوں سے بھی مطلوبہ تعاون حاصل نہ ہوا۔

جنرل پرویز سپر پاورز کی غلامی میں حد سے بہت آگے نکل گیا۔ اس نے امریکہ کی رضامندی خریدنے کے لیے تمام سرکاری تعلیمی ادارے آغا خانیوں کو فروخت کر دیے۔ پھر ان کی بدمعاشیوں کے اظہار پر احتجاج ہوا، تو بتدریج سودا کرنے لگا۔ اس نے قوم کو تعلیمی میدان میں ناکام کرنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے آزمائے۔ ان میں سے خطرناک ترین حربہ تعلیم کو ''جنس تجارت'' بنانے کا اقدام تھا۔ یعنی پرائیویٹ پبلک سکولوں کی منظوری، جس کے نتیجے میں نگر نگر، گلی گلی نئے سکول کھل گئے، جن میں انگریزی زبان، لباس اور تہذیب وتمدن کو اعلیٰ حیثیت دی جاتی ہے۔ اسلامی زبان، تہذیب اور تمدن کو کمتر حیثیت ملتی ہے۔ ان سکولوں میں میٹرک سے ماسٹر ڈگری تک کے ٹیچر نہایت کم مشاہروں پر خدمات پیش کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے باصلاحیت افراد تدریسی مشق کے دوران اپنی علمی کمزوریوں کو دور کر کے سرکاری اداروں میں ملازمت پر چلے جاتے ہیں۔ اور ان کی جگہ لینے کے لیے بے روزگار نوجوانوں کی نئی کھیپ آجاتی ہے۔ اس طرح تعلیم کی دوکانیں خوب چلتی ہیں، لیکن قوم کے نونہال پینٹ، شرٹ اور ٹائی میں کھوئے رہتے ہیں، انہیں معیاری تعلیم اور اسلامی تربیت حاصل نہیں ہوتی۔

اللہ جزائے خیر عطا فرمائے ان بعض اداروں کو جنہوں نے ان سکولوں میں اسلامی جذبات پروان چڑھانے کی کوششیں کی ہیں۔ لیکن ہر جگہ یہ مسئلہ گھمبیر ہو رہا ہے کہ قابل اور محنتی اساتذہ معمولی تنخواہوں پر دستیاب نہیں ہوتے، یا کسی مجبوری کے تحت آتے ہیں تو عارضی ثابت ہوتے ہیں۔ اور بچوں کی زندگیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

بعض عقل مند لوگوں نے اس تعلیمی تجارت کے موقع سے صحیح فائدہ اٹھا کر اپنی نوجوان نسل کے لیے معیاری تعلیمی ادارے کھولے، جنہوں نے اگرچہ فیسوں کی مد میں بہت زیادہ دولت نہ کمائی ہو؛ لیکن چند سالوں کے اندر اپنے باصلاحیت تعلیم یافتہ افراد کو اندرون وبیرون ملک اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے میں مدد دی۔

آج ہر سمجھدار شخص انفرادی طور پر اپنی اولاد کے لیے معیاری تعلیم کا خواہش مند ہے، حتیٰ کہ غریب آدمی بھی اپنا سب کچھ بچوں کی اچھی تعلیم کے لیے قربان کر کے بہتر مستقبل کا طلب گار ہے۔ اور یقیناً ذہین ومحنتی بچوں پر اس ضمن

میں کیے گئے اخراجات رائیگاں نہیں جاتے۔

اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں؟ اور نت نئے انقلابات کے جلو میں پیش آمدہ چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں؟ اور من حیث القوم اپنی جماعت کی آئندہ نسلوں کو اس کے لیے تیار کر رہے ہیں؟!

اسلام دشمنوں کے ہتھکنڈے وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو رہے ہیں، سپر پاور حکومتوں نے اپنی ایجنسیوں کو اس کام پر لگا رکھا ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے اور سپر پاورز کے مفادات سے متصادم فرقوں کی بیخ کنی کے لیے نت نئے طریقے وضع کیے جائیں۔

ظاہر ہے اس ضمن میں اُن کے لیے سب سے خطرناک گروہ اہلحدیث کا ہے۔ اب اس کا زور توڑنے کا طریقہ یورپ اور امریکہ کی (Think tank) نے یہ نکالا کہ انہیں جدید تعلیم اور ٹیکنالوجی سے دُور، پُرفریب ذہنی حالت میں رکھا جائے۔ آج جب ہم اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ سپر پاورز کی یہ چال کامیاب جارہی ہے۔ اس وقت پاکستان میں ایسا کوئی کامیاب، بڑا اور قابل ذکر تعلیمی ادارہ موجود نہیں، جو کتاب وسنت کی تعلیم کے ساتھ بچوں کو جدید معیاری تعلیم دیتا ہو، جہاں تک عام آدمی کی رسائی بھی ہو۔ جو چھوٹے موٹے سکول کھلے ہیں ''پیسہ بنانے کی مشین'' کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے ایک ''بورڈنگ سکول'' کا بروشر ملاحظہ فرمایئے:

☆ ماہانہ فیس -/15000 ہے۔
☆ گرمیوں کی چھٹیوں کا فیس ایڈوانس وصول کیا جائے گا۔
☆ امتحانات سے رزلٹ تک کے درمیانی وقفے کا فیس بھی وصول کیا جائے گا۔
☆ ہر ماہ کی 8 تاریخ تک فیس جمع نہ کرنے والے طالب علم کو خارج کر دیا جائے گا۔
☆ سکول انتظامیہ بچوں کی تربیت کے لیے جو سامان ضروری سمجھے، اُس کی قیمت بھی وصول کی جائے گی۔

کیا اس بروشر میں مسلکی حمیت، مشنری کا جذبہ، غریب پروری اور ہمدردی وغمخواری کا کوئی شائبہ نظر آرہا ہے؟ لمحہ فکریہ اس کا معیارِ تعلیم ہے کہ مذکورہ سکول میں میٹرک کے طلباء کو بھی ''ٹیسٹ پیپرز'' رٹنے کو کہا جاتا ہے۔

قارئین کرام! ''تعلیم'' آج کے دور کا سب سے بڑا زیور ہے اور ہتھیار بھی، اور ہم اسی زیور سے محروم

ہوتے جارہے ہیں۔ زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا جارہا ہے، روایتی تعلیم کی اہمیت دن بدن کم ہوتی جارہی ہے، اوراس کی جگہ سائنس وٹیکنالوجی لے رہی ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ''روایتی تعلیم'' سے مراد نعوذ باللہ ''دینی'' تعلیم نہیں؛ اُس کی اہمیت تو اپنی جگہ مُسلّمہ اورنا قابل تغیر ہے۔ یہاں روایتی تعلیم سے میری مراد ڈرائنگ، ہوم اکنامکس، ہیلتھ اینڈ فزیکل ایجوکیشن کے ساتھ میٹرک، ایف اے پاس کرنا ہے۔

''دینی تعلیم'' کی اہمیت نہ صرف نا قابل تغیر ہے، بلکہ اس کی اہمیت میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ زمانہ جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے؛ نئے نئے چیلنج اہل اسلام کو پیش آتے ہیں۔ جس قدر سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی ملتی ہے؛ اسی قدر نت نئے آلات انسان کے لیے ''شر'' کو آسان تر اور ''خیر'' کو مشکل تر بنارہے ہیں۔ جس قدر مسلمان ممالک اسلام دشمن طاقتوں سے مرعوب اوران کے مقروض ہوتے جارہے ہیں، ان کے دباؤ سے دین اسلام کے شعائر اور خصوصیات کی ''حوصلہ شکنی'' خود مسلم ممالک میں بھی قانونی شکل اختیار کررہی ہے۔

ان تمام مسائل سے نمٹنے اورنئی نسل کے حال اور مستقبل کو تباہی وبربادی سے بچانے کے لیے دین اسلام کی روشن تعلیمات سے آگاہی کی اہمیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ اوردینی تعلیم وتربیت سے محروم نوجوان موجودہ نظام تعلیم میں جتنی قابلیت حاصل کریں، وہ بیچارہ صرف دولتِ دنیا کا پجاری بن کررہ جاتا ہے۔ اس کو بڑی شدت سے ''فکرآخرت'' دلانے کی ضرورت ہے، کیونکہ اسی سے آدمی ''انسان'' بن جاتا ہے۔ ہرسو پھیلتے ہوئے باطل نظریات سے بچانے کے لیے بھی نئی نسل کو قرآن مجید اورحدیث شریف سے واقف کرنا لازمی ہے۔

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مذکورہ بالا چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ''فقہ الواقع'' بھی لازمی ہے۔ اس کے بغیر انسان اپنی زندگی کو اللہ پاک اوراس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے جوڑ نہیں سکتا۔ دنیا میں رہنے کے لیے دنیا سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر جدید پیش آمدہ مسائل کا حل ڈھونڈھنا آسان نہیں۔

اب دیکھیں کہ ہم کہاں جارہے ہیں؟؟ ہم نے جماعتی سطح پر اعلیٰ معیار کی دینی اوردنیاوی دونوں قسم کی تعلیم میں رسوخ پیدا کرنے کے لیے کیا کچھ عملی اقدامات اٹھائے ہیں؟؟ ہم لوگ بدقسمتی سے کچھ ''پُرفریب نعروں'' میں کھوئے ہوئے ہیں...... جن کے پیچھے 1987ء سے اب تک خوب چندہ اکٹھا کرکے خرچ کیا جارہا ہے۔

لیکن ذرا غور کیجئے...... اب تک کا نتیجہ (Out put) کیا ہے؟؟ کچھ جذباتی قسم کے نوجوان، جن کے پاس کوئی فنی صلاحیت ہے نہ تعلیمی ڈگری، نہ دینی تعلیم میں پختگی...... اپنی دنیا میں مگن رہنے والے لوگ۔ جمہوریت کو کفر